ناولٹ

فائزہ افتخاز

ساحلِ شب

ساتویں قسط

ام ہانی حواس باختہ سی بھاگتی کمرے سے نکلی، مگر نیچے ہال میں سب منگنی کی خوشی میں اتنے مگن تھے کہ اس کی ہمت ہی نہ ہوئی کسی کو اپنا مسئلہ بتانے کی۔

ڈھولک... گیت... رقص... کیسے ان سب میں سے کسی کو بتاتی کہ وہ واپس جانا چاہتی ہے اور کیوں جانا چاہتی ہے؟ ظاہر ہے کہ کیوں کا سوال بھی سامنے آتا۔ بلکہ بے شمار سوال... اور سب سے بڑھ کے اس وقت خوف اور گھبراہٹ سے اس کی جو حالت تھی اس کے بعد وہ ان سوالوں کے جواب نہ بھی دیتی تو سب جان جاتے اور وہ یہی تو نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی جانے... خاص طور پہ سعد... بھلا کیوں وہ اپنی تکلیف سب پہ آشکار کرکے ان کی خوشیوں کے رنگ مدھم کرتی۔

اس نے خاموش نظروں سے باری باری سب کے خوشی سے دمکتے چہرے دیکھے اور دبے پاؤں پلٹ گئی۔ اس ہنگامے اور شور شرابے میں کسی کو بھی اس کے آنے اور پھر جانے کی خبر نہ ہو سکی۔ اور کچھ ہی منٹ کے بعد وہ سیالار کے بھیجے ڈرائیور کے ساتھ واپسی کے راستے میں تھی اور بار بار بجتا فون۔

"میں آرہی ہوں سالار... راستے میں ہوں۔" اور بار بار اس کی وضاحتیں اور صفائیاں اور تسلیاں۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں سالار... میں آپ کے کہتے ہی وہاں سے نکل آئی تھی۔ اب تو آدھے راستے میں ہوں۔"

"جی جی... بس پہنچنے ہی والی ہوں۔"

☆ ☆ ☆

مجھے اس کی غیر موجودگی بری طرح کھل رہی تھی۔ نظریں بے ساختہ اسے تلاش کررہی تھیں اور ثانیہ کی باتوں کا میں بے دھیانی سے ہاں ہوں میں جواب دے رہا تھا۔

"سعد... مہندی کا رنگ تو واقعی بہت گہرا ہو رہا ہے۔" میں نے اچٹتی سی نظر اس کی ہتھیلیوں پہ ڈالی۔ تقریب ختم ہو چکی تھی۔ باہر سے آنے والے مہمان بھی جا چکے تھے، مگر ابھی بھی وہی رونق وہی چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ بس نہیں تھی... تو... وہ۔

"میں ابھی ڈیڈ کو بھی اسکائپ پہ اپنی مہندی دکھاؤں گی۔ وہ بہت خوش ہوں گے۔" ثانیہ کی بات پہ چم چم منہ میں رکھتے ہوئے پھوپھو نے بڑا لطیف سا طنز کیا۔

"اور ان سے کہنا۔ شادی سے پہلے آ ضرور جائیں... کہیں نکاح نامہ بھی اسکائپ پہ دیکھنے کی فرمائش نہ کریں۔"

"ہاں بھئی ہمارے رشتے دار ان کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" امی نے کہتے کہتے اچانک چونک کر وہ بات کہی جو میں کب سے کہنا چاہتا تھا۔

"ارے ہاں... پوچھ تو سب ام ہانی کا بھی رہے تھے۔ تقریب میں بس وہ گھڑی بھر کو نظر آئی اور پھر غائب۔" اور پھر پاس سے گزرتی ملازمہ کو روکا۔

"سنو... ذرا ہانی کو بلانا۔"

"طبیعت نہ خراب ہو اس کی۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"یا تھک گئی ہوگی۔ جلدی سونے چلی گئی ہوگی۔" یہ پھوپھو کا قیاس تھا۔

"بی بی جی کے جانے کا پتا نہیں آپ کو؟" ملازمہ کے حیرت سے پوچھنے پہ ہم سب ہی چونک گئے۔

"کیا؟ کہاں گئی وہ؟"

"ان کے گھر سے موٹر آئی تھی۔ وہ چلی گئیں۔"

"کیا؟"

"کب؟" سب ہی حق دق رہ گئے۔

"گھنٹے سے اوپر ہو گیا جی۔ مجھے لگا.... آپ سب کو پتا ہو گا۔ بتا کے ہی گئی ہوں گی۔"

✲ ✲ ✲

بھاگتے ہوئے اس نے کار سے گھر کے اندر تک کا راستہ طے کیا تھا، مگر پھر دہلیز سے اس کے قدم جکڑ لیے۔ ہاتھ میں بھرا ہوا گلاس لیے سالار سامنے ہی اس کا منتظر تھا۔ اگرچہ اس کا انداز پر سکون تھا، مگر یہ تو صرف ام ہانی ہی جانتی تھی کہ اس سکون میں کتنے طوفان چھپے ہوئے ہوں گے۔ اس نے دروازے کا



سہارا لے کر اپنی ہمت مجتمع کرنا چاہی۔۔۔ مگر ہمت۔۔۔ وہ تو سالار کو اپنی جانب قدم بڑھاتا دیکھ کے ہی جواب دے رہی تھی۔

"اتنی دیر؟" نزدیک آ کے سالار نے دھیرے سے اس کا گال چھوا۔ وہ بدک کے پیچھے ہٹی' مگر اب سالار نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ کی گرفت میں مضبوطی سے لے لیا تھا۔

"تمہیں پتا تھا نا۔۔۔ میں تمہارے بغیر ایک پل کیسے گزارتا ہوں پھر کیوں گئی تھی تم؟"

"آپ نے ہی۔۔۔ ہی تو۔۔۔ کہا تھا جانے کا۔" اپنے چہرے کو اس کے شکنجے سے نکالنے کی کوشش کرتی ام ہانی نے کہا تو سالار اس کے رخساروں میں اپنی انگوٹھے اور انگشت کا دباؤ مزید بڑھاتے ہوئے غرایا۔

"میں کہوں گا۔۔۔ ابھی مر جاؤ تو مر جاؤ گی کیا؟"

"آپ کا فون آتے ہی میں نکل آئی تھی راستے میں دیر۔۔۔"

"میرا فون آنے کے بعد؟ کیوں؟" وہ زور سے چلایا۔

"پہلے نہیں آسکتی تھی؟ میں دو دن اور فون نہ کرتا تو کیا دو دن نہ آتی؟ کبھی نہ بلاتا تو کیا کبھی نہ آتی؟ کچھ احساس ہے تمہیں؟ کہ یہ وقت میں نے کیسے گزارا؟ انگاروں پہ چل کے ام ہانی۔۔۔ انگاروں پہ چل کے۔۔۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے شیشے کی ان گنت کرچیاں میرے وجود میں کھب رہی ہوں اور تم۔۔۔ تم وہاں انجوائے کر رہی تھیں۔" اس کے چہرے کو جھٹکا دے کر سالار نے اسے پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔ مارے خوف کے ام ہانی کا وجود یوں بھی بے جان سا ہو رہا تھا وہ بھربھری مٹی کی طرح نیچے فرش پر جا رہی۔

"یہ ہوتی ہے محبت۔۔۔ اسے کہتے ہیں وفا؟ یوں بنتے ہیں شوہر کے دکھ' سکھ کا ساتھی؟ ایسے ادا کرتے ہیں مجازی خدا کے حقوق؟ بولو۔۔۔" وہ ہتھیلیوں کے بل فرش سے اٹھنے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی۔ چہرے پہ درد مگر آنکھیں اب بھی خشک و ویران۔

"حق تو تب ادا ہو گا ام ہانی کہ جن انگاروں پہ میں چلا ہوں تم بھی چلو۔۔۔ اپنی وفا کا ثبوت دینا ہے تو اتنی ہی کرچیاں اپنے وجود میں چبھو کے دکھاؤ جتنی تمہاری دوری سے مجھے چبھی ہیں۔" یہ کہتے ہی سالار نے ہاتھ میں تھاما گلاس زور سے نیچے دے مارا۔ ایک چھناکے کی آواز ابھری اور فرش پہ ام ہانی کی نظروں کے سامنے کرچیاں ہی کرچیاں پھیل گئیں۔ ام ہانی نے خوف زدہ نظروں سے سالار کو دیکھا جو اب اسے اٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ کپکپاتے بدن کے ساتھ بمشکل وہ اٹھ کھڑی ہوئی ٹانگیں بوجھ اٹھانے سے انکاری تھیں۔ اور ایسے میں سالار نے اب آنکھوں ہی آنکھوں سے اسے ان کرچیوں پر چلنے کا اشارہ کیا اس کے چہرے پہ اس قدر رعونت اور سفاکی تھی کہ ام ہانی نے رحم کی اپیل کا ارادہ بھی موقوف کر دیا۔ کسی معمول کی طرح وہ آگے بڑھی۔۔۔ کانپتا ہوا پیر کرچیوں پر رکھا۔۔۔ تکلیف کی شدت سے اس کے لبوں سے سسکی نکلی جسے دبانے کے لیے اس نے ہونٹ زور سے دبا لیے۔

سالار کے چہرے پہ رفتہ رفتہ سکون اور اطمینان نمودار ہو رہا تھا۔ جیسے یہ دبی دبی سسکیاں اس کی سماعتوں میں سر بکھیر رہی ہوں۔ جیسے جیسے ام ہانی کے پیروں سے خون رس رہا تھا۔ سالار کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

سب اپنی اپنی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میرے کانوں میں سب کی آوازیں پڑ رہی تھیں' مگر میں الگ تھلگ بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا۔

"آخر کچھ تو بتا کے گئی ہو گی' مجھے کسی نے خبر کیوں نہ دی۔" ابو جھنجلائے ہوئے تھے کیونکہ باوجود کوشش کے فون پہ بھی رابطہ نہ ہو رہا تھا۔

"بتا تو رہی ہوں' ہمیں خود خبر نہیں تھی ملازمہ سے پتا چلا۔" امی کے کہنے پہ پھوپھو نے بھی لقمہ دیا۔

"اسے خود اتنی توفیق نہ ہوئی کہ کسی کو اطلاع دے کر جاتی۔"

"مگر ملازمہ سے یہ تو پتا چلا ہے کہ ڈرائیور سالار نے

بھیجا تھا۔ خیریت ہی ہو ایسی کیا ایمرجنسی ہوئی ہو گی۔"

"فون نہیں ملا ابھی تک؟"

"نہیں پہلے کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ اب میاں بیوی دونوں کے فون بند مل رہے ہیں۔" ابو یہ بتا کے پھر سے نمبر ملانے لگے۔

"حیرت ہے۔"

"حیرت اس کے جانے پہ نہیں ہے بھابھی! اس کے آنے پہ زیادہ تھی وہ کہاں ہمیں اس قابل سمجھتی تھی کہ ہم سے کوئی رابطہ رکھتی یا تعلق... اور وہ اس کا شوہر کمشنر نہ ہوا... مہاراجہ ہو گیا کہیں کا... لاٹ صاحب... اتنا نہ ہوا کہ سسرال کی تقریب میں گھڑی دو گھڑی آجاتا۔"

"مہ پارہ... بند کرو یہ بے وقت کی راگنی۔" ابو چڑ گئے۔

"او ہو... آپ لوگ مان کیوں نہیں لیتے کہ وہ ہم سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتی۔ سعد کے زبردستی کرنے پہ آگئی اس لیے منگنی کی رسم ہوتے ہی یہ جا... وہ جا۔ وہ بھی ملے بغیر۔"

"تم عورتیں تصویر کا صرف ایک رخ کیوں دیکھتی ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی ہو پتا تو کرنا چاہیے۔" آخر میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابو۔ کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ میں دیکھ کے آتا ہوں۔" امی کو یہ بات خاصی ناپسند لگی تھی۔

"دن تو ٹھیک سے نکلنے دو۔ ابھی تو اذان ہوئی ہے فجر کی ایسی بھی کیا جلدی۔" مگر میں ان سنی کرتا نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

درد کی شدت سے اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی مگر آنکھیں اب بھی خشک... وہ کسی بت کی مانند بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس کا زخمی پیر سامنے بیٹھے سالار کی گود میں تھا، جو اب بہت محبت اور نرمی سے اس کے تلووں سے رستا خون صاف کرتا کہہ رہا تھا۔

"کتنا خون نکل آیا ضدی لڑکی... ہمیشہ خود کو نقصان پہنچانے والی حرکتیں کرتی ہو... میری بات مان لیا کرو تو یہ سب نہ ہو۔" اس کے سہلانے پہ ہانی کے لبوں سے ایک سسکی سی نکلی تو سالار کے چہرے پہ جیسے امید کی جوت جاگ گئی وہ پھر سے اس کے زخموں کا معائنہ کرنے لگا۔

"اوہ... لگتا ہے کوئی کرچی رہ گئی۔" اور یہ کہتے ہوئے اس نے ایڑھی کے پاس گوشت میں دھنسی وہ کرچی کھینچ کے نکالی۔ ام ہانی کراہ اٹھی۔ اور درد کی شدت کو دبانے کے لیے دونوں مٹھیوں میں کمبل کو دبوچ لیا۔ سالار محویت سے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی دلچسپ نظارہ ہو۔

"مجھے وہ پہلی ملاقات یاد آگئی... تب بھی تمہیں ایسے ہی چوٹ لگی تھی میں نے ایسے ہی تمہارے پیر کو ہاتھوں میں لے کر تمہارا زخم صاف کیا تھا تب بھی تمہیں ایسے ہی تکلیف ہو رہی تھی شاید اس سے کم... مگر تب تم رو رہی تھیں ام ہانی... بے تحاشا اور تمہارے آنسو میرے دل پہ گر رہے تھے... میرے دل کا وہ حصہ آج تک گیلا ہے۔ اس کے باوجود ایک تشنگی ہے اور ایک خواہش... مزید بھیگنے کی... مجھے لگا تم میری زندگی میں آؤ گی تو اپنے آنسوؤں سے میری ساری تشنگی دور کر دو گی مجھے جل تھل کر دو گی... مگر..." اچانک اس کے چہرے پہ پھر سے وہی درشتی عود کر آئی ایک جھٹکے سے اس نے ام ہانی کا پیر پرے کیا۔

"مگر تم... تم روتی ہی نہیں تم تو اتنی بنجر ہو گئی ہو جتنی میری زندگی... تم مجھے کیا سیراب کرو گی... کہاں گئے تمہارے وہ آنسو جن پہ میں فدا ہوا تھا... ورنہ... تم میں ایسا ہے کیا جو سالار اعظم تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرتا۔" اس انکشاف پہ ام ہانی کی آنکھیں دہشت کے مارے پھیل گئیں۔ سالار اس کے قریب سرکا۔

"رو ہانی... تھوڑا سا... کچھ تو رو لو۔" وہ باقاعدہ منت کرنے لگا۔

"کوئی نہیں ہے یہاں۔۔۔ میرے سوا۔۔۔ تمہارے آنسوؤں کو دیکھنے والا کوئی بھی نہیں۔" اس کے قریب آنے پہ وہ پیچھے کی جانب کھسکی، مگر وہ اور بھی آگے بڑھتا کہتا رہا۔

"میں نے سب ملازموں کو بھی بھیج دیا تھا۔ صرف میں ہوں اور میرے سامنے رونے میں کیسی شرم۔" اور اب۔۔۔ اب وہ گڑگڑانے ہی لگا۔

"کیوں ستاتی ہو مجھے اور خود کو بھی مشکل میں ڈالتی ہو۔ روتی کیوں نہیں تم۔۔۔ مجھے ہی کیوں رلاتی ہو۔۔۔ آخر۔۔۔ آخر اور کیا کروں میں تمہارے آنسو دیکھنے کے لیے۔" وہ اس کی گود میں سر رکھے سسک رہا تھا اور ام ہانی خوف سے پتھرکی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی جارہی تھی۔ اچانک اس نے روتے روتے اپنا سر اٹھایا کر ام ہانی کو زور کا طمانچہ دے مارا۔

"کب روؤ گی تم۔۔۔ آخر کب؟" وہ زور سے چلایا تھا۔

"کس کے لیے سنبھال کے رکھے ہیں یہ آنسو؟ کیا میرے مرنے پر روؤ گی؟" اور اسے بے تحاشا مارنے لگا۔

☼ ☼ ☼

گیٹ کے سامنے رکتے ہی مجھے کوے کی کرخت آواز سنائی دی، میں نے نظر اٹھا کے اوپر دیکھا تو گھر کے عین اوپر اڑتے کوؤں کے غول ماحول کی نحوست میں اضافہ کررہے تھے۔ مجھے گھبراہٹ سی ہوئی۔ سر جھٹک کے میں آگے بڑھا۔ اس روز کی نسبت آج کوئی ملازم نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک ویرانی کا سا عالم تھا۔ میری نظر سالار کی قد آور تصویر پہ جا ٹھہری۔ ماحول کی نحوست اب اپنے عروج پر تھی۔ ایک نفرت بھری نظر اس کے سفاک اور کریہہ خدوخال پر ڈال کے میں بلند آواز میں پکارنے لگا۔

"ہنی۔۔۔" میری آواز سناٹے میں گونج کے رہ گئی، مگر کوئی ردعمل سامنے نہ آیا۔ حیران ہوتے ہوئے میں نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھائے اور ہر قدم کے ساتھ اسے پکارتا گیا۔ ہر پکار کے ساتھ میری بے تابی اور وحشت بڑھ رہی تھی۔

"ہنی۔۔۔ کوئی ہے یہاں پہ، ہیلو۔" کسی کے نہ ہونے کا احساس بھی تھا اور یہیں کہیں اس کے ہونے کا احساس بھی۔۔۔ لمبی راہداری کے دونوں اطراف بہت سے بند دروازے تھے۔ میں شش و پنج میں تھا کہ پہلے کس دروازے پہ دستک دوں کہ داہنی جانب کے تیسرے دروازے کو تھوڑا سا کھلا پا کے میں نے پہلے اس کمرے میں جھانکنے کا قصد کیا۔ ابھی میرا ہاتھ دستک کے لیے اٹھا ہی تھا کہ اندر سے آتی ام ہانی کی سسکی کی آواز پہ میں بے تابانہ اندر داخل ہوگیا۔ وہ بیڈ پہ تھی۔ نڈھال۔۔۔ بدحال۔۔۔ ہونٹ سے رستا خون۔۔۔ رخساروں پہ طمانچوں کے نشان۔۔۔ بکھرے بال۔۔۔ بائیں آنکھ سوج کے نیلی پڑتی ہوئی۔

"ہنی۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا تمہیں؟" میرے روم روم۔۔۔ نس نس میں درد کی لہریں شدت سے ابھرنے لگیں۔

"کس نے کیا تمہارا یہ حال؟ بولو ہنی۔" تکلیف کی شدت سے اگر اس کا بدن لرز رہا تھا تو میری آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

"بتاؤ کس نے؟ سالار نے؟" میں نے اس کے یخ بستہ ہاتھ تھام لیے۔ وہ خاموش تھی، مگر اس کی آنکھوں کی بے بسی نے میرے سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ میں بپھر اٹھا۔

"مگر کیوں؟ کس لیے؟ اور تم نے کسی کو بتایا بھی نہیں؟ کیوں؟ ایک بار بتاتی تو سہی۔۔۔ بلاتی تو سہی۔۔۔ مجھے نہ سہی۔۔۔ کسی اور کو ہی سہی۔۔۔ کسی کو تو۔۔۔"

"کیسے بتاتی۔" بہت دقت کے ساتھ وہ کہنے لگی۔

"اور کس کو بتاتی۔۔۔ انہیں؟ جن کے سامنے ڈٹ کے کھڑی ہوئی تھی سالار کے لیے۔۔۔ یہ شادی میری پسند سے ہوئی تھی سعد۔۔۔ کیا منہ لے کر جاتی میں ان کے سامنے؟"

"بکواس ہے سب۔۔۔ کیا فرق پڑتا ہے اس سے؟ شادی پسند سے کرنا کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کہ اس کی یہ

سزا بھگتو تم۔۔۔ وہ بھی چپ چاپ۔۔۔ اٹھو۔۔۔ چلو میرے ساتھ۔۔۔ میں تمہیں اب یہاں نہیں رہنے دوں گا۔" میں اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچنے لگا۔

"نہیں سعد۔۔۔ ایسا مت کرو۔۔۔ تم نہیں جانتے سالار کو۔۔۔ تم بس جاؤ یہاں سے۔۔۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے۔۔۔" مگر میں اس کی مزاحمت کو یکسر خاطر میں نہ لایا۔

"نہیں۔۔۔ میں تمہیں یہاں سے لیے بنا ہرگز نہیں جاؤں گا۔" میں نے زبردستی اسے کھینچ کے بیڈ سے اتارنے کی کوشش کی اور جیسے ہی ام ہانی کے پیر فرش پہ پڑے وہ درد سے کراہنے لگی اور دوبارہ گر سی گئی۔ میری نظر بے ساختہ اس کے پیروں پہ گئی جن کو تھامے اب وہ درد سے دوہری ہو رہی تھی۔ میں پیروں کے بل اس کے پاس زمین پہ بیٹھا اور اس کے پیروں کو جھک کے دیکھنے لگا۔ یا خدا۔۔۔ میری آنکھوں کے سامنے جیسے جہنم دہک اٹھا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے جھکے ہوئے چہرے پہ ڈالی اور فیصلہ کن لہجے میں کہہ اٹھا۔

"اب میں تمہیں ساتھ چلنے کا نہیں کہوں گا۔۔۔ ساتھ لے کر جاؤں گا۔۔۔ زبردستی۔۔۔"

"نہیں سعد۔۔۔ سالار کو پتا چلا تو۔۔۔" مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور احتیاط سے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کے باہر نکلنے لگا۔

"سعد۔۔۔ ایسے مت کرو۔۔۔ مت لے کر جاؤ مجھے۔"

"بس۔۔۔ چپ۔۔۔ ایک لفظ نہیں۔"

☆ ☆ ☆

مہ پارہ پھوپھو جھنجلاتی۔۔۔ بڑبڑاتی بڑے دادا کے کمرے سے نکلی تھیں۔

"روز ایک سے ایک نیا تماشا اس حویلی میں۔۔۔ اب گھر ہے کہ مہمانوں سے بھرا پڑا ہے اور یہاں۔۔۔" چلتے چلتے وہ رکیں۔ میں اسی طرح ام ہانی کو گود میں اٹھائے کار سے نکل کے یہاں تک لایا تھا اور اب پھوپھو کو دیکھ کے اسے صوفے پہ بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ حیرت سے ام ہانی کی حالت کو دیکھ رہی تھیں اور پھر جب میں نے ہنی کو صوفے پہ احتیاط سے بٹھا کے اس کے زخمی پیر اوپر کر کے رکھے۔ مبادا فرش سے چھونے پہ ان سے دوبارہ خون نہ رسنے لگے تو پھوپھو کی چیخ نکل گئی۔

"ام ہانی۔" وہ تیر کی طرح لپک کے اس کے پاس پہنچیں اور اسے ساتھ لپٹا کے واویلا کرنے لگیں۔

"بھابھی۔۔۔ بھائی صاحب۔ یہ دیکھیں ہانی۔۔۔ کس نے کی تمہاری یہ حالت۔۔۔ سعد۔۔۔ تم کچھ بتاتے کیوں نہیں؟" وہ بلک بلک کے روتے ہوئے ساتھ ساتھ ہانی کا چھو ٹٹول ٹٹول کے دیکھ رہی تھیں۔ ان کا ایسا شدید رد عمل میرے ساتھ ساتھ ہنی کے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ وہ بھی گنگ سی انہیں بین کرتے دیکھ رہی تھی۔

"کیڑے پڑیں مردار کو۔۔۔ کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔۔۔ کیا حال کر دیا۔۔۔ بدذات۔۔۔" وہ اب سالار کو کوسنے دے رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں حویلی بھر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ سب ہی ایک شاک کی کیفیت میں تھے۔ امی نے ام ہانی کا لباس تبدیل کروا دیا تھا۔ منہ ہاتھ بھی دھلوا چکی تھیں۔ ابو ڈاکٹر کو لا کے معائنہ کرا چکے تھے اور اس وقت وہ بیڈ پہ سب کے درمیان سکتے کے عالم میں تھی پھوپھو اس کے پیروں پہ مرہم لگاتے مسلسل رو رہی تھیں۔

"دیکھیں ذرا بھابھی۔۔۔ ہم یہاں رشک کرتے رہے ام ہانی کی قسمت پہ۔۔۔ اور یہ۔۔۔ چہ چہ۔۔۔ یہ تو پڑھا لکھا جاہل نکلا۔"

"صرف جاہل؟" اب تک خاموش کھڑی تانیہ غصے سے کہہ اٹھی۔

"جنگلی بلکہ وحشی جانور۔۔۔ سعد نہ پہنچتا تو پتا نہیں ہانی کا کیا حال ہوتا؟"

"اتنا ظلم۔۔۔ میری پھول سی بچی پہ۔" ابو ٹوٹتے ہوئے لگ رہے تھے۔

"سالار جیسے شخص سے میں اس کی بالکل توقع نہیں رکھتا تھا۔"

"سعد... تم سالار کی اجازت سے اسے لائے ہو؟" امی نے بالکل ہی عجیب سا سوال کیا۔ مجھ سمیت سب ہی انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ام ہانی بھی...

"اجازت؟" میں بپھر اٹھا۔

"امی... ہنی اس کی پراپرٹی نہیں ہے ویسے بھی اتنا کچھ ہونے کے بعد میں اسے وہاں کیسے رہنے دیتا۔"

"وہ اثر و رسوخ والا انسان ہے سعد... اگر دشمنی پہ اتر آیا تو؟" امی کی تشویش پہ پھوپھو بھی الٹ پڑیں۔

"واہ بھابھی! تو ہم کیا کسی گرے پڑے خاندان سے ہیں جو وہ ہماری بچی کے ساتھ کچھ بھی کر جائے... یا خدا نا خواستہ ہماری لڑکی میں کوئی عیب ہے جو ہم منہ سیے، آنکھیں پھوڑے اسے جہنم میں جلتا دیکھتے رہیں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا۔" امی سب کی ناگواری بھانپ کے کچھ خجل سی ہو گئیں۔

"صرف اتنا کہہ رہی تھی کہ بہرحال وہ اس کا شوہر ہے اس سے پوچھ کے نہ سہی مگر لانے سے پہلے اس کے علم میں تو لے آتے۔"

"اور وہ نہ لانے دیتا تو پھر؟" ابو نے خفگی سے کہا۔

"حد کرتی ہو تم نائلہ... کیا سعد وہاں اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتا۔"

"آپ میں سے کوئی بات کی نزاکت کو نہیں سمجھ رہا۔ ہم نہیں جانتے اصل معاملہ کیا تھا اور کیا ہوا ہے ان دونوں کے درمیان... تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔"

"کیا...؟" میں اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ امی کو بھی شاید احساس ہو گیا کہ وہ بے موقع بات کر بیٹھی ہیں۔

"میرا مطلب ہے میاں بیوی کا جھگڑا ہوا ہو گا۔"

"تو کیا جھگڑے میں اسے حق حاصل ہو گیا کہ وہ ام ہانی کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کرے اور ہنی آپ کے سامنے پلی بڑھی ہے کیا آپ کو لگتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا قصور سرزد ہو سکتا ہے۔ جس پہ یہ اس سزا کی مستحق ہو۔" میرے تیور دیکھ کے امی نے بات کا رخ موڑنا چاہا۔

"کم از کم اب تو اسے اطلاع دے دو... کہ اس کی بیوی خیریت سے یہاں ہے۔ کہیں اسے گھر نہ پا کے وہ کچھ الٹا سیدھا نہ سوچ لے۔"

☆ ☆ ☆

وہ دو گھنٹے بعد ہی گھر لوٹ آیا۔ آفس میں اتنا بیٹھنا بھی اس کے لیے دو بھر ہو گیا تھا۔ بار بار یہ خیال آتا کہ اسے نہ پا کے وہ رو رہی ہو گی۔ ان آنسوؤں کی کشش اسے دوبارہ کھینچ لائی۔

"ام ہانی... میں آ گیا... میری زندگی۔" اس کے ہاتھ میں کچھ سامان بھی تھا اور ایک پھولوں کا گلدستہ بھی... سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بڑی ترنگ میں پکارتا جا رہا تھا۔

"دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔" مزاج کی مستی اور بہکے قدم اس کے نشے میں ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔

"بہت سے رنگ... آج عرصے بعد تم میری تصویر بناؤ گی... پھر سے۔" دروازہ کھولتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"سرپرائز۔" اور پھر کمرے کو خالی پا کے وہیں ساکت ہو گیا۔

"ام ہانی...؟"

☆ ☆ ☆

"سارا دن گزر گیا نہ سالار نے خبر لی... نہ آپ میں سے کسی نے اسے فون تک کرنا گوارا کیا... ایسا کب تک چلے گا۔" رات کو میں ہانی کے کمرے میں اس کی خیریت دریافت کرنے آیا تو سب پھر سے اسے نرغے میں لیے بیٹھے تھے۔

"نائلہ... اگر بقول تمہارے ہانی اس کی بیوی اور ذمے داری ہے تو اسے خود فکر ہونی چاہیے کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے کیوں نہیں فون کیا۔" ابو صبح کی طرح اب بھی امی پہ ناراضی جتلا رہے تھے اور امی شاید دوبارہ تازہ دم ہو کے نئے دلائل کے ساتھ آئی تھیں۔

"وہ بھی یہی سوچ رہا ہو گا کہ آپ اسے اطلاع دیں

ایسی ضد اور انا میں بچی برباد ہو جائے گی۔"

"بربادی میں اب کون سی کسر رہ گئی ہے بھابھی؟"
پھوپھو کی تلخی پہ میں سلگ اٹھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہنی کی زندگی کو۔۔۔ نہیں برباد ہوئی وہ۔ وہ شخص اتنا اہم نہیں کہ اس کی وجہ سے ہنی کی زندگی پہ اثر پڑے۔" امی کی پیشانی سلوٹوں سے اٹ گئی۔

"سعد۔۔۔ کچھ دن ملک سے باہر رہنے سے کیا تم اس ملک اور معاشرے کی روایات کو بھول گئے ہو؟" ماحول گرم ہوتے دیکھ کے تانیہ نے اپنے تئیں بات کو سمیٹنا چاہا۔۔۔ یہ کہہ کر۔۔۔

"اس طرح بحث کرنے سے کیا حاصل۔۔۔ آپ لوگوں نے ابھی تک پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کرائی۔" اپنی سادگی میں اس نے بحث کو سمیٹنا چاہا تھا' مگر نہیں جانتی تھی کہ ایک نیا پنڈورا بکس کھول رہی ہے۔

"پولیس؟" امی بدک گئیں۔

"جی۔۔۔ سیدھا سادا پولیس کیس ہے۔"

"حد ہے۔" امی نے ناگواری سے تانیہ کو گھورا۔

"اب خاندان کی عزت چوراہے پہ لے آئیں ہم۔ اخباروں کی زینت بنائیں۔۔۔ پہلے ہی لوگوں میں کیا کم تماشا لگا ہے۔"

"مگر یہ تو زیادتی ہے کہ صرف عزت کی خاطر آپ ایک لڑکی کی زندگی کو یوں۔۔۔"

"تانیہ۔" امی نے اب واضح درشتی سے اسے ٹوک دیا۔

"تم ابھی بچی ہو۔۔۔ ان معاملات میں دخل دینے کی تمہاری نہ عمر ہے نہ سمجھ۔۔۔ اور ہماری روایات کو بھی تم نہیں جانتیں۔" تانیہ خاموش تو ہو گئی' مگر پھر اسی خاموشی کے ساتھ کمرے سے بھی نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد امی نے مجھے تنبیہہ کی۔

"سعد سمجھاؤ اسے۔"

"امی۔۔۔ بات پولیس تک جائے گی یا نہیں۔۔۔ یہ فیصلہ کرنا ابو اور بڑے دادا کا کام ہے' مگر ایک فیصلہ میرا بھی ہے اور وہ یہ کہ ہنی اب وہاں نہیں جائے گی۔ میں اسے ایک ذہنی بیمار شخص کے ہتھے نہیں لگنے دوں گا۔" میرے مضبوط لہجے پہ جہاں ام ہانی کے وحشت زدہ چہرے پہ ایک سکون کی ہلکی سی رونق نظر آئی وہیں امی کے چہرے پہ گہری تشویش جھلکنے لگی۔

☆ ☆ ☆

تانیہ آنگن میں رکھے بانس کے پیڑھے پہ اکیلی بیٹھی تھی۔۔۔ بنا پیچھے مڑ کے دیکھے ہی صرف مجھے آہٹ سے پہچان کے پوچھنے لگی۔

"ختم ہوئی ہانی سے انکوائری یا ابھی بھی سب اس کو گھیر کے بیٹھے ہیں؟"

"سب کی کوشش ہے اس پہ زبردستی اپنی اپنی سوچ ٹھونسنے کی۔" میں غصے میں کہتا اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔

"امی نے باری باری سب ہی رشتے داروں کو اسے سمجھانے کے لیے بھیجا ہے تاکہ دباؤ میں لا کے اسے سمجھوتے پہ مجبور کر سکیں اور یہ کہ ضد سے صرف اس کی زندگی خراب ہو گی۔ اسے سب کچھ بھلا دینا چاہیے صبر سے کام لینا چاہیے 'محبت' نرمی اور وفا سے شوہر کا دل جیتنا چاہیے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔ کیا کروں؟"

"وہاں دیکھو سعد۔" تانیہ کی آسمان کی جانب اشارہ کیا۔

"کسی ٹوٹتے ستارے کا انتظار کرو۔ تاکہ وہ نظر آجائے تو اس سے ہانی کی خوشیوں کے لیے دعا کر سکو۔
تم سب لوگ ایسے ہی ہو۔۔۔ معجزوں کا انتظار کرتے ہو۔ کسی غیبی امداد کا۔۔۔ مجھے تو ہانی پہ بھی حیرت ہے۔ جانتے ہو وہ کیا کہہ رہی تھی۔۔۔ کہ یہ سب کسی منت کی چوڑی کے ٹوٹنے کا بد اثر ہے۔"

"منت کی چوڑی؟" میں چونکا۔

"ہاں۔۔۔ بتا رہی تھی کہ سالار سے شادی کے لیے اس نے کوئی منت مانگی تھی' مگر پہنتے ہوئے ان میں سے ایک چوڑی ٹوٹ گئی۔" میں کھو سا گیا۔۔۔ تصور

میں اس کالی چوڑی کے ٹکڑے اس کی گوری اجلی ہتھیلی پہ رکھے نظر آئے۔۔۔ اور اس کی تاسف میں ڈوبی نگاہیں اور ملامت بھرا لہجہ۔۔۔

"توڑ دی نا۔۔۔ بدھو۔۔۔ منت کی تھی۔" اور میرا لاپروائی سے کہنا۔

"ایک ہی ٹوٹی ہے۔۔۔ دوسری تو پہنادی ہے یعنی منت پوری ہوئی مگر آدھی ہے۔۔۔ کچھ ملے گا۔۔۔ اور کچھ نہیں ملے گا۔" اس نے مجھے گھورا تھا اور میں مزید ڈھٹائی سے ہنس کے اسے چڑانے لگا تھا۔

"میرے بغیر جو کام کروگی وہ یا تو ادھورا ہوگا یا خراب۔"

"سعد۔۔۔" تانیہ نے میرا کاندھا جھنجوڑا تو میں ہڑبڑا کے حال میں واپس آیا۔

"ہاں۔۔۔ کیا کہہ رہی تھی تم؟"

"یہی کہ نائلہ آنٹی رضوان انکل سے کہہ رہی تھیں کہ وہ سالار کو بلائیں یا اس کے پاس جائیں بات کرنے۔۔۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو ٹوک دیا کہ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔۔۔ ویسا نہیں ہوتا۔۔۔ کیا ہے یار سعد؟" میں ابھی تک ذہنی طور پہ حاضر نہیں ہو پارہا تھا۔ دماغ میں کہیں اس کالی چوڑی کی کوئی کرچی چبھ سی گئی تھی۔

"ہوں۔ دیکھتے ہیں۔۔۔ کیا ہوتا ہے۔" اسے میری غائب دماغی کا اندازہ نہ ہو اس لیے اس کی بات پوری طرح نہ سن پانے کے باوجود میں نے یونہی کہہ دیا اور وہ بجائے بہلنے کے ہتھے سے اکھڑ گئی۔

"کیا دیکھتے ہیں سعد۔۔۔ میں نے کہا نا۔۔۔ تم لوگ آسمانی مدد کا انتظار کرتے ہو۔۔۔ کوئی آئے اور بس معجزہ دکھادے کم از کم ہانی کو تو اس انتظار سے نکلنے دو کہ کوئی دوسرا اسے اس تکلیف سے نکالے گا۔"

"کوئی دوسرا کیوں؟ کیا میں مر۔۔۔" غصے سے کہتے کہتے میں رکا۔ اور بات بدل دی۔

"تو کیا ہم سب مر گئے ہیں؟ ہم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتے؟"

"کب تک؟ جب تک وہ خود اپنے لیے کھڑی نہیں ہوگی سعد۔۔۔ اپنی جنگ خود نہیں لڑے گی۔۔۔ وہ جیت نہیں سکے گی۔"

"وہ بہت کمزور ہے تانیہ۔"

"وہ کتنی کمزور ہے اور کتنی مضبوط۔۔۔ یہ جاننے کے لیے تمہیں ایک بار اسے لڑنے کا موقع دینا ہوگا۔ یہ زندگی اس کی ہے اور اس کو بچانے کے لیے جتنی کوشش وہ خود کرسکتی ہے وہ تم یا کوئی نہیں کرسکتا۔ تم اسے سپورٹ کرو۔۔۔ سب کو کرنا چاہیے مگر اپنے حصے کی لڑائی اسے خود لڑنے دو۔ دوستی اپنے دوست کو مضبوط کرنے کا نام ہے۔ اسے کسی دوسرے پہ انحصار کرنا سکھانے کا نام نہیں ہے۔" وہ کہتی جارہی تھی۔۔۔ بہت جوش سے۔۔۔ بہت جذبات میں اور میں اسے دیکھتا جارہا تھا۔

"کیا گھور رہے ہو؟ میں کچھ کہہ رہی ہوں اور تم ٹکٹکی باندھے ہوئے ہو۔" وہ جھلا اٹھی۔

"دیکھ رہا ہوں کہ لگتی نہیں ہو مگر ہو سمجھ دار۔" میرے ہلکا سا مسکرانے پہ اس کا تناؤ بھی کم ہوا۔

"تم بھی دیکھنے میں سمجھ دار لگتے ہو مگر ہو نہیں۔" وہ بھی مسکرادی تھی۔

☼ ☼ ☼

رضوان جتنے دکھی ام ہانی کے ساتھ ہونے والے سلوک پہ تھے اتنے ہی دل گرفتہ نائلہ کے رویے پہ تھے۔

"ام ہانی کو رخصت کرنے کے بعد مجھے لگا میں سلمان کی روح کے سامنے سرخرو ہو گیا ہوں لیکن آج اسے اس حال میں دیکھنے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ مجھ سے کتنی کوتاہی ہوئی۔"

"ایسا کیوں سوچ رہے ہیں آپ۔" نائلہ نے تسلی دی۔

"اس میں ہمارا کیا قصور۔۔۔ وہ تو ہانی نے خود ہی۔۔۔ خیر۔۔۔ اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ آگے کا سوچیں۔۔۔ میں کب سے کہہ رہی ہوں کہ سالار سے رابطہ کریں۔۔۔ ایسے موقعوں پہ تاخیر مناسب نہیں ہوتی۔ وقت پہ

بات سنبھال لینی چاہیے۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کسی طرح سالار کو بلا کے ام ہانی کا ہاتھ اسے تھما کے چلتا کردیں۔

"بات تو کریں اس سے۔"

"کیا بات کروں اس سے اور کیا کہوں؟ میں نہ اس کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں نہ آواز سننا چاہتا ہوں۔"

"سنیں گے نہیں تو اس کا موقف کیسے جان پائیں گے۔"

"آخر تم یہ ثابت کرنے پہ کیوں تلی ہو نائلہ کہ غلطی ام ہانی کی ہے۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہی... مگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کبھی بھی یکطرفہ نہیں ہوتے۔" وہ اپنی صفائی دینے لگیں۔

"میری نیت پہ شک نہ کریں۔ ہانی کو دیکھ کے میرے کلیجے سے بھی ٹیس اٹھ رہی ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ ہم اس کا گھر توڑنے میں اتنی جلد بازی کریں۔ ایک بار کوشش تو کریں بگڑی کو بنانے کی۔"

"ٹھیک ہے۔ کرتا ہوں فون سالار کو۔"

بالآخر وہ راضی ہوئے تو نائلہ نے ایک سکون بھرا سانس لیا۔ مگر رضوان کا سالار سے بات کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا... اول تو اس نے فون ہی کئی بار نمبر ملاتے رہنے کے بعد اٹھانے کی زحمت کی۔ اس پہ اس کا اکھڑا ہوا لہجہ...

رضوان نے جب اسے ام ہانی کے حویلی ہونے کی اطلاع دی تو درشتی سے بولا۔

"جانتا ہوں... وہیں ہوگی اور کہاں جائے گی مگر یہ ٹھیک نہیں کیا اس نے۔"

اس پہ رضوان کا دل تو چاہا کہ اس سے باز پرس کرے کہ آخر اس نے کون سا ٹھیک کام کیا۔ مگر نائلہ کی ملتجیانہ نظروں پر تحمل سے اسے حویلی آنے اور معاملے کو سلجھانے کی دعوت دی۔

"کیا؟ میں آؤں، بات کرنے۔"

کیسی بات... میں نے نہیں بھیجا اسے... نہ وہ مجھ سے پوچھ کے گئی ہے۔ آنا آپ کو چاہیے اسے

چھوڑنے کے لیے بھی... اور اس کی اس فضول حرکت پہ معذرت کرنے بھی۔"

یہ کہہ کر اس نے فوراً" فون بند کردیا تھا۔

رضوان کے مایوس چہرے کو دیکھ کے نائلہ سب بھانپ گئیں اور بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے نکلیں۔ ام ہانی کے کمرے میں آئیں تو وہاں تانیہ بصد اصرار اسے کچھ کھلانے کی کوشش کررہی تھی۔

"پلیز تھوڑا سا اور..."

"نہیں... میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"پلیز ہانی... اسٹرونگ نہیں، خود کو سنبھالیں... دنیا کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیں کہ آپ کو کسی سہارے کی ضرورت ہے۔"

"ناشتا کرلیا ام ہانی نے؟"

نائلہ کے پوچھنے پہ تانیہ نے انکار میں سر ہلایا تو نائلہ اس کے ہاتھ سے دلیے کا پیالہ لے کر خود ہانی کے پاس بیٹھ گئیں۔

"میں کھلاتی ہوں۔ تم جاؤ... اور ہاں تانیہ تمہارے ڈیڈی کب آرہے ہیں۔"

"جی؟" وہ اس بے موقع سوال پہ کچھ ٹھٹکی۔

"بتایا تو تھا آپ کو... اگلے مہینے۔" بہر حال اس نے جواب دے دیا۔

"ان سے کہو... جتنا جلد آنا ممکن ہو... آجائیں سب لوگ واپس جارہے تھے... مگر میں نے روک لیا کہ اب سعد کی شادی میں شرکت کرکے ہی جائیں تو بہتر ہوگا کہ ایک ہفتے یا زیادہ سے زیادہ دس دن کے اندر شادی ہوجائے۔ کوئی کب تک رکا رہے گا۔"

اتنی عجیب و غریب بات پہ تانیہ ہکابکا انہیں دیکھتی رہی مگر کچھ کہے بنا واپس چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

سالار اماں کو سامنے پا کے حیران تو ضرور ہوا۔ مگر اسے اپنے جذبات و تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا... اس لیے بنا سلام دعا کے رخ پھیر کے میگزین کھولنے لگا۔

"ام ہانی کہاں ہے سالار؟"

انہوں نے بھی وقت ضائع کیے بنا وہ سوال کیا جس کے لیے اتنا لمبا سفر کرکے آئی تھیں۔ رضوان کا فون آتے ہی انہوں نے واپسی کا قصد کیا تھا۔ اور قسمت سے ٹکٹ بھی اگلی فلائٹ کی ہی مل گئی تھی۔

"اطلاع ملنے پہ ہی آپ اچانک واپس آئی ہیں پتا ہی ہوگا کہ کہاں ہے پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"اس لیے کہ میں اسے تمہارے حوالے کرکے گئی تھی۔"

"آپ کی ملکیت تھی کیا وہ؟"

"سالار اس کے گھر والوں نے اس ماں کے ساتھ اسے مجھے سونپا تھا کہ میں اس کا خیال رکھوں گی۔ ایک ماں کی طرح ظاہر ہے انہوں نے مجھ سے ہی باز پرس کرنی تھی۔ کیا جواب دوں میں انہیں۔"

"آپ کو جواب دینے کی ضرورت نہیں اور ان کو سوال کرنے کا حق نہیں۔۔۔ میری بیوی ہے۔۔۔ میں جو چاہوں اس کے ساتھ کرسکتا ہوں۔"

وہاں رعونت کا وہی عالم تھا۔

"ایک جیتی جاگتی انسان ہے وہ سالار۔۔۔ درندے مت بنو۔" وہ ملامت پہ اتر آئیں تو سالار نے ایک سرد نظریں پہ ڈالی اور اس سے بھی سرد لہجے میں کہنے لگا۔

"اماں۔۔۔ کیکر کے پیڑ پہ گلاب نہیں کھلتے۔" اماں کے اوپر جیسے کسی نے ٹھنڈا یخ پانی اچھال پھینکا۔۔۔ وہ وہیں برف بن کے جم گئیں۔

"طلاق دیتا ہوں میں تمہیں۔۔۔ طلاق، طلاق، طلاق۔۔۔ سو مرتبہ طلاق۔"

ایک آواز برف کی اس چٹان کو چھیدنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہو رہا ہے؟" تانیہ کو لیپ ٹاپ پہ جھکے دیکھ کر میں نے پوچھا۔

"ڈیڈی تھے اسکائپ پہ۔۔۔ تمہارا پوچھ رہے تھے۔۔۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے جلد سے جلد آنے کا۔۔۔ شاید پرسوں یا اس سے اگلے ہی دن آجائیں۔"

میں بوجھل سا اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"میں جانتی ہوں سعد۔۔۔ تمہیں اچھا نہیں لگ رہا ہوگا ان حالات میں شادی کے بارے میں سوچنا میں بھی نہیں چاہتی۔۔۔ مگر آنٹی نے پتا نہیں کیسے ڈیڈ کو کونیس کرلیا ہے۔ انہیں بھی آئیڈیا اچھا لگا ہے جلدی شادی کرنے کا۔"

"ہوں۔" میری بے دلی کا وہی عالم تھا۔

"لیکن اگر تم اچھا فیل نہیں کررہے ہو تو میں انہیں کہہ دیتی ہوں کہ وہ انکل رضوان سے بات کریں۔"

اس کی بات پہ میں نے غور سے دیکھا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے تانیہ کہ میں اچھا محسوس نہیں کررہا۔"

"ظاہر ہے۔۔۔ وہ تمہاری دوست ہے۔" تانیہ کے چہرے پہ نگاہوں میں، لہجے میں بس سادگی ہی سادگی تھی۔

"کزن بھی ہے اس کے ساتھ اتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے ایسے میں تمہارا دل کیسے چاہے گا کوئی خوشی منانے کو اب اتنا تو میں تمہیں جانتی ہوں ناں سعد۔"

"تم کچھ زیادہ ہی جاننے لگی ہو مجھے تانیہ۔" میرے ہونٹوں پہ ایک بجھی بجھی سی مسکراہٹ آئی۔

"کہیں اس سے زیادہ کچھ نہ جان لینا۔"

"پہلے تو میں یہ جاننا چاہوں گی کہ تم ہانی سے اتنا دور دور کیوں رہتے ہو؟" میں نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ وضاحت دینے لگی۔

"میں نے نوٹ کیا ہے تم اس کے پاس جانے سے کتراتے ہو۔ اسے تمہاری ضرورت ہے سعد۔۔۔ اپنے سب سے اچھے دوست کی اپنے بچپن کے ساتھی کی ہم سب مل کے بھی اسے اس دکھ سے نہیں نکال سکتے جو کام تم اکیلے کرسکتے ہو؟"

"میں نہیں کرسکتا تانیہ۔" میں بے بسی سے ٹوٹنے والا ہوگیا۔

"بہت مشکل ہے میرے لیے اسے اس حال میں دیکھنا۔۔۔ میں اسے پھر سے ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانے سے کہیں زیادہ ضروری اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو لانا ہیں۔۔۔ تم نے نوٹ کیا ہے سعد اتنا کچھ ہو گیا مگر وہ روئی نہیں ایک آنسو بھی نہیں آخر کیوں سعد؟ کیوں؟"
اس کی باتوں نے مجھے بھی سوچنے پہ مجبور کر دیا۔

✵ ✵ ✵

برف ابھی بھی نہیں پگھلی تھی۔ اور اماں یونہی منجمد سی سالار کے سامنے بیٹھی پلیٹ میں نکالے چاول کے چند دانوں کو چمچے سے یہاں سے وہاں کر رہی تھیں۔

رضوان کا فون آتے ہی وہ بڑے زعم میں فوراً وہاں سے روانہ ہوئی تھیں۔ جیسے یہاں پہنچتے ہی سب ٹھیک کر لیں گی۔ مگر سالار کی صرف ایک بات نے ہی انہیں بے دست و پا کر کے رکھ دیا تھا۔

سالار بھی اسی خاموشی کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھا سوپ پی رہا تھا۔

مگر اس کی خاموشی میں ایک ٹھہرا ہوا سکون تھا۔ پھر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس نے انہیں مخاطب کیا۔

"اگر آپ کو اس کے نہ ہونے کا اتنا ہی دکھ ہے تو اسے جا کے لے آئیں۔"

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگیں۔۔۔ جو اب اسی اطمینان کے ساتھ دائیں جانب رکھی ڈش اٹھا رہا تھا۔

"جس کام کے لیے اتنی دور سے آئی ہیں وہ کریں اور جائیں۔" اماں بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

✵ ✵ ✵

تانیہ کے احساس دلانے پہ میں ام ہانی کے سامنے تھا۔ اس کے مرہم لگے پیروں کو دکھ اور تاسف سے دیکھتا ہوا۔۔۔ وہ ویسی ہی گم صم سی بیٹھی تھی۔ خشک آنکھوں کے ساتھ۔

"بہت دکھتا ہے؟" اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"تم تو چھوٹی سی تکلیف پہ رو دیا کرتی تھی ہنی۔۔۔ اتنی بہادر کیسے ہو گئی۔ کہ اب تمہیں درد محسوس نہیں ہوتا۔۔۔ پتھر بن گئی ہو کیا؟"

"پتھر نہیں۔۔۔ برف بن گئی ہوں۔" وہ بالآخر بول اٹھی۔

"میرے آنسوؤں کو سالار کی محبت نے جما دیا ہے۔ جانتے ہو سعد۔۔۔ وہ میرے آنسوؤں پہ فدا ہوا تھا۔ اسے ہنستی ہوئی ام ہانی سے نہیں۔۔۔ روتی ہوئی ام ہانی سے عشق تھا۔۔۔ وہ یہ سب مجھے رلانے کے لیے میرے آنسو دیکھنے کے لیے کرتا تھا، مگر میرے آنسو تو میرے اندر ہی کہیں جذب ہو گئے تھے۔"

"تو تم کیوں نہیں روتی تھی۔۔۔ اتنی اذیت پسند کیوں ہو گئی تھی تم۔"

میرا دل بھر آ گیا۔۔۔ مگر میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی وہ غور سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"تمہیں بھی تو میری حالت پہ رونا آ رہا ہے۔ تم کیوں نہیں رو رہے سعد؟" میں نے تیزی سے پلکیں جھپک کے اپنے آنسو پیچھے دھکیلنے چاہے۔

"کیسے روؤں؟ تم نے ایک بار کہا تھا کہ میں بات بات پہ رو پڑتا ہوں، اتنا کمزور ہوں تو تمہیں کیسے سنبھالوں گا۔۔۔ ہنی میں اس دن سے نہیں رویا نہ کبھی روؤں گا میں نے وعدہ کیا تھا تم سے۔"

"سعد تم نے صرف وعدہ کیا نہیں تھا تم نے ایک وعدہ لیا بھی تھا۔ مجھ سے کبھی نہ رونے کا یاد کرو تم نے کہا تھا کہ میری آنکھ سے ایک آنسو بھی گرا تو تمہیں لگے گا میں نے تمہیں معاف نہیں کیا۔ تمہیں بددعا دی ہے میں کیسے روتی سعد کیسے تمہیں بددعا دیتی۔۔۔ کیسے تم سے کیا وعدہ توڑتی؟" میں دم بخود اسے دیکھتا رہ گیا۔

"تم نے ایک وعدے کے لیے اتنی اذیت۔۔۔؟" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہنی یاد ہے میں ہنس دیتا تھا تو تم ناراضی اور اداسی میں بھی مسکرا دیتی تھی تم کہتی تھی تمہاری اور میری مسکراہٹ میں ایک رشتہ ہے۔ سانجھ کا رشتہ اور میں زندگی میں پہلی بار ٹوٹ کے تب رویا تھا جب تمہیں پہلی بار روتے دیکھا تھا۔ ہمارے آنسوؤں نے بھی

ایک رشتہ باندھا تھا۔ آؤ ہنی۔۔۔ سالوں بعد ہم وہ رشتہ دوبارہ جوڑیں۔۔۔ رو لو ہنی۔۔۔ ایک بار۔۔۔ ایک بار کھل کے رو لو۔۔۔ میں بھی رونا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اپنے وعدے سے آزاد کر دو۔۔۔ میں تمہیں اپنے وعدے سے آزاد کرتا ہوں۔"

میرے آنسو بہہ رہے تھے۔۔۔ وہ بھی اپنے گھٹنوں پہ سر ٹکا کے سسک سسک کے رونے لگی۔

اس کے اور میرے آنسوؤں کے درمیان پھر سے وہی رشتہ بندھ رہا تھا۔

ہم دونوں کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"تانیہ کے ڈیڈی آج رات کی فلائٹ سے آ رہے ہیں۔" نائلہ کے اطلاع دینے پہ رضوان اور مہ پارہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئے۔

"نائلہ۔۔۔ آخر تم اپنی کر کے رہیں۔" کوفت سے کہتے ہوئے رضوان نے کافی کا مگ ہاتھ سے رکھ دیا۔

"لو بھلا۔۔۔ اچھی بھلی تین ہفتے بعد ہونے والی شادی کو یوں افراتفری میں کرنے کی کیا تک ہے؟" مہ پارہ نے بھی کھلے الفاظ میں ناگواری جتائی۔

"مہ پارہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے نائلہ۔۔۔ ابھی بھی سوچ لو۔۔۔ ام ہانی پہ کیا گزرے گی۔۔۔ وہ اس گھر کا۔۔۔ اسی خاندان کا ایک حصہ ہے۔ ہم کیسے خوشیاں منا سکتے ہیں اگر ہانی۔۔۔"

"میں بھی ام ہانی کی وجہ سے ہی یہ شادی جلد از جلد چاہتی ہوں۔" نائلہ کے کہنے پہ مہ پارہ نے تعجب سے انہیں گھورا تو وہ گڑبڑا کے بات سنبھالنے لگیں۔

"تاکہ اس کا دھیان بٹے۔۔۔ ورنہ ایسے ہی پریشان کن سوچوں میں الجھی رہے گی۔۔۔ شادی کی تیاریاں شروع ہوں گی تو گھر میں اداسی کا راج ختم ہو گا۔۔۔ جمود ٹوٹے گا۔ سعد بھی شادی کے ہنگاموں میں مصروف ہو جائے گا اور کیا اسے خوش دیکھ کے ہانی کو خوشی نہیں ہو گی؟"

رضوان نے کچھ کچھ متفق ہوتے ہوئے تائید میں گردن ہلائی۔ مگر مہ پارہ تنک کے بولی۔

"اور لوگ کیا کہیں گے۔۔۔ کہ بیٹی اجڑ رہی ہے اور یہ بیٹے کا گھر بسا رہے ہیں۔"

"اللہ نہ کرے جو وہ اجڑے۔" نائلہ نے مہ پارہ کی جانب ایک سخت نظر اچھالی۔

"آپ سب لوگ بات بگاڑنے پہ ہی کیوں تلے بیٹھے ہیں۔ بجائے سنبھالنے کے اور ایسا ہی لوگوں کی باتوں کا ڈر ہے تو ہم شادی سادگی سے کریں گے۔"

"واہ۔۔۔ کل تک اکلوتے بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کرنے کے ارمان تھے۔۔۔ اب سادگی؟ واہ بھئی ٹھیک ہے۔"

مہ پارہ بڑبڑانے لگیں اور نائلہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے رضوان کو بتا رہی تھیں۔

"سالار کی اماں پہنچ گئی ہیں۔ ان کا فون آیا تھا رات کو آج وہ آئیں گی۔ امید ہے معاملات درست ہو جائیں گے۔ آپ دل بھاری نہ کریں اللہ سے بہتری کی امید رکھیں۔"

☆ ☆ ☆

پتا نہیں کیوں میں جانتا تھا آج وہ یہاں ضرور آئے گی۔۔۔ حالانکہ ان پانچ دنوں میں وہ اپنے کمرے سے تو کیا باہر نکلتی۔۔۔ شاید بیڈ سے بھی نیچے قدم نہ دھرا ہو گا اس نے۔

پھر بھی۔۔۔

ایک قوی یقین کے ساتھ۔۔۔

میں صبح سے کھنڈر کے باہر کھڑا اس کی راہ تک رہا تھا۔ پھر وہ آ گئی۔۔۔ زخمی پیروں میں ہلکی سی لنگڑاہٹ لیے۔۔۔ چہرے پہ نقاہت کے باوجود۔۔۔ ایک عزم کے آثار لیے۔ میں آگے بڑھا۔

"اب یہ مت پوچھنا کہ مجھے کیسا پتا چلا کہ تم یہاں آنے والی ہو۔"

"نہیں پوچھوں گی۔۔۔ کیونکہ میں تو یہاں آئی ہی اس لیے تھی کہ تمہارے یہاں ہونے کا یقین تھا۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اندر بڑھنے لگا۔۔۔ پھر سیدھا لے کر اس دیوار کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جو اس کے اور میرے ناموں سے اٹی ہوئی تھی۔

اور درمیان میں چاک سے بنا سالار کا وہ خاکہ جو میرے بنانے پہ وہ مجھ سے روٹھ گئی تھی۔

ایک خوفناک شکل اور لمبے لمبے دانتوں والی شبیہہ۔

"یہ یاد ہے ہنی۔۔۔ پتا نہیں کیوں۔۔۔ سالار کو پہلی نظر دیکھتے ہی مجھے اس کے اندر کا چہرہ نظر آگیا تھا اور میں نے یہ بنا ڈالا تھا۔" وہ اداسی سے دیکھنے لگی۔

میں نے نیچے جھک کے زمین پہ گرا کوئلے کا ایک ٹکڑا اٹھا کے اس کی جانب بڑھایا۔

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے پہلے کوئلہ تھامنے اور پھر دیوار پہ کچھ لکھنے کا کہا۔۔۔ وہ اب بھی نہ سمجھی تو اس کے ہاتھ میں کوئلہ تھماتے ہوئے میں کہنے لگا۔

"تمہارے اندر اب بھی بہت گھٹن ہے ہنی۔۔۔ جیسے تم نے رات کو سالوں سے رکے ہوئے آنسو نکالے تھے۔ آج کھل کے وہ سب نفرت بھی نکال دو جو سالار کے لیے تمہارے دل میں ہے۔" ام ہانی چند لمحے ہاتھ میں پکڑے کوئلے کو دیکھتی رہی۔۔۔ پھر اس کا ہاتھ دیوار کی جانب بڑھا۔ مگر جھجک کے رک گئی۔

"کم آن ہنی۔" میں نے حوصلہ بڑھایا۔

"مٹا دو اسے دیوار سے بھی، اپنے دل سے بھی اپنے ذہن اور اپنی زندگی سے بھی۔"

اچانک ہانی کے اندر ایک ہیجان سا پیدا ہوا۔۔۔ اور وہ پوری شدت پورے جنون کے ساتھ زور زور سے کوئلہ دیوار پہ بنی اس شبیہہ پہ پھیرنے لگی۔

اس کا ہیجان میرے اندر سکون بھر رہا تھا۔ اس کی سانسیں پھول رہی تھیں اور میری معتدل ہوتی جا رہی تھیں۔

اس کی شال پھسل کے اس کے شانوں سے نیچے آ گری۔ مگر اسے خبر نہ ہو سکی۔۔۔ اس کا ہاتھ اس تیزی سے دیوار پہ چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ میرا بنایا سالار کا خاکہ مکمل طور پہ سیاہی میں چھپ گیا۔

"ہنی۔۔۔ بس ہو گیا۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کے روکنا چاہا۔۔۔ اس سے کوئلہ لے کر دور پھینکا اور سرک کر نیچے گری شال اٹھا کے دوبارہ اسے اوڑھائی۔

"بس ہنی۔۔۔ اب تمہارا اندر خالی ہے۔۔۔ یہاں سالار کا کوئی بھیانک عکس نہیں ہے۔" وہ آنسوؤں کی دھند کے اس پار مسکرا اٹھی۔ بڑی شفاف سی مسکراہٹ نکھری نکھری۔

☆ ☆ ☆

اماں شرمندہ شرمندہ سی سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی تھیں۔ اور رضوان گلہ کر رہے تھے۔

"آپ نے تو پلٹ کے خبر نہ لی۔۔۔ ہم بھی انجان رہے کہ ہماری بیٹی کس حال میں ہے" آپ پہ بھروسا ہی بہت تھا۔"

"میں شرمندہ ہوں۔ اپنی لاعلمی پہ بھی۔۔۔ اور سالار کے سلوک پہ بھی۔"

"صرف شرمندہ؟"

"اب بس بھی کیجیے رضوان۔" نائلہ نے مصالحت کی کوشش کرنا چاہی۔

"یہ بھی تو دیکھیں وہ کیسے آپ کے بتانے پہ فوراً پاکستان چلی آئی ہیں آخر یہ ان کی چاہ ہی تو ہے۔"

"میں اسے لے جانے آئی ہوں۔" اماں کے کہنے پہ بھی رضوان نرم نہ پڑے۔

"سالار کو خود آنا چاہیے تھا۔۔۔ ہم بھی تو سنیں کہ اس کے پاس کیا وجہ ہے اپنے اس غیر انسانی سلوک کی۔۔۔ اپنی تسلی کیے بغیر ہم کیسے ام ہانی کو واپس بھیج دیں۔"

اماں کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ سامنے سے آتی ام ہانی کو دیکھ کے چپ کر گئیں۔

اور جیسے ہی انہیں سامنے پا کے ام ہانی بے ساختہ ان کی جانب بھاگتی آئی۔۔۔ وہ بھی دونوں بازو کھول کے رہ گئیں۔ اب وہ ان سے لپٹی سسک سسک کے رو

رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر واپسی پہ اماں کو بپھرے ہوئے سالار کے سوالات اور جرح کا سامنا کرنا پڑا۔

"کیوں نہیں لائیں آپ اسے؟"

"کیونکہ میں نہیں لانا چاہتی تھی۔" جی کڑا کر کے انہوں نے کہہ دیا۔

"لیکن آپ کو میں نے اسی کام کے لیے بھیجا تھا۔"

"تب تک میں نے اس کی حالت نہیں دیکھی تھی سالار! اسے دیکھنے کے بعد مجھے لگا اس کا یہاں نہ آنا ہی بہتر ہے۔"

"اس کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں... یہ طے کرنے کا حق صرف مجھے ہے آپ کو نہیں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"مجھے نہیں ہے تو تمہیں بھی نہیں ہے... تم بھی خدا نہیں ہو سالار جو اس کی قسمت لکھو گے۔"

"اسی خدا نے اس کی قسمت میں سالار اعظم لکھ دیا ہے۔ اب اپنی تقدیر سے بچ کر کہاں جائے گی وہ... اسے لے کر آئیں ابھی فوراً۔"

"نہیں جاؤں گی میں۔" اماں نے سالار کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

"نہ میں اسے مجبور کروں گی... مجھ سے اس کے آنسو نہیں دیکھے گئے سالار۔"

"آنسو..." سالار بری طرح چونکا تھا۔

"میرے دل پہ گرتے ہیں اس کے آنسو سالار نہ کرو اتنا ظلم... اس کے رونے سے عرش بھی ہل کے رہ گیا ہو گا۔ کیوں اس معصوم کی بددعائیں لیتے ہو۔" وہ بڑی دل گرفتگی سے اسے نصیحت کر رہی تھیں مگر سالار... اس کی سوئی تو محض ایک ہی لفظ پہ اٹک کے رہ گئی تھی۔

"وہ... وہ رو رہی تھی؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"ام ہانی رو رہی تھی؟" تصدیق چاہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی جسے دیکھ کے اماں حیران رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

رات گئے ثانیہ کے ڈیڈی اسلم کی آمد ہوئی... سب حویلی سے باہر نکل کے ان کا استقبال کر رہے تھے۔

"ڈیڈی... آئی ایم لیٹ..." ثانیہ ان سے لپٹی ہوئی تھی۔

"بیٹا جی... میں خود اڑ سکتا تو زیادہ جلدی آجاتا... مگر جہاز کی رفتار اس سے زیادہ بڑھانا میرے بس میں نہیں تھا۔ وہ کافی خوش مزاج اور زندہ دل قسم کے انسان لگ رہے تھے۔ جلدی بے تکلف ہو جانے والے۔

رضوان نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ معانقہ کرنے لگے... اور نائلہ نے سلام جھاڑا تو فٹ ہاتھ آگے بڑھا دیا... بے چاری جھجک کے رہ گئیں۔

"اگر میں غلطی پہ نہیں ہوں تو آپ میری بیٹی کی ہونے والی ساس ہیں۔"

"ماما کہیں ڈیڈ... یہ ساس واس مجھے نہیں راس۔"

"اوہ... آئی سی... ثانیہ تم مجھے ہمیشہ اکساتی رہیں کہ میں تمہارے لیے ماما لے آؤں... میں قابو میں نہیں آیا تو تم نے خود اپنے لیے ڈھونڈلی... واؤ۔"

وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑے اور نائلہ خجالت مٹانے کے لیے رضوان کو کہنی مار کے متوجہ کرنے لگیں۔

"آپ اندر آئیں ناں..." رضوان کے کہنے پہ اسلم نے اندر قدم بڑھائے اور پھر مہ پارہ کو دیکھ کے ٹھٹکے۔

"ان کا تعارف نہیں کرایا آپ نے؟"

"یہ میری بہن ہے۔ مہ پارہ سعد کی پھوپھی۔"

مہ پارہ نے ان کے ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہی فوراً اپنے بازو موڑے اور ہاتھ بغلوں میں دباتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"السلام علیکم..."

"صبح آپ کے اعزاز میں ایک پرتکلف ناشتے کا

اہتمام کیا ہے ہم نے۔" رضوان انہیں اندر لے جاتے ہوئے بتا رہے تھے۔
"وہاں میں نے اپنے سبھی رشتے داروں کو مدعو کیا ہے۔ تاکہ سب کا آپ سے تعارف ہو جائے۔"
"ارے واہ۔۔۔ ناشتا۔۔۔ یعنی برنچ۔" وہ بلاوجہ بے موقع قہقہے لگا رہے تھے۔ مہ پارہ پیچھے نائلہ کے پاس ہی رک گئی تھیں۔
"توبہ کیسا عجیب سا آدمی ہے۔ بھونڈا چھچھورا۔" انہوں نے برملا ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں ڈیڈی کیسے لگے؟" تانیہ وفور اشتیاق سے مجھ سے پوچھ رہی تھی۔
"اگر کہوں کہ بالکل اچھے نہیں لگے تو کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی؟ انکار کر دو گی؟"
"کیوں نہیں کروں گی؟" وہ آنکھیں نکال کے مجھ پہ غرائی تھی۔
"پھر تو لازمی کروں گی۔۔۔ تاکہ اس گستاخی پہ تمہیں ساری زندگی سزا دیتی رہوں پورے حق کے ساتھ۔"
"اوہو۔۔۔" میں نے مایوسی سے منہ لٹکایا۔
"پھر کیا فائدہ بلاوجہ سچ کہنے کا۔۔۔ تمہارا دل ہی رکھ لیتا ہوں یہ کہہ کر کہ بہت اچھے لگے۔" وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔
اور مجھے ہنی کی کھلکھلاہٹ یاد آ گئی۔ جو نجانے کہاں بچھڑ گئی تھی۔
"سنو تانیہ۔"
"ہوں۔"
"تم نے کہا تھا ناں۔۔۔ کہ ہانی کا ایک بار رونا بہت ضروری ہے میں نے اسے رلا دیا ہے۔"
"ہاں۔۔۔ جانتی ہوں۔ تبھی تو دھند چھٹتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔"
"اور دھند کے چھٹنے کے بعد دھنک کے رنگ پھیلنے بھی تو ضروری ہیں اور اس کے لیے میں اسے ایک بار مسکراتا ہوا بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"تو کرو ناں کوشش۔"
"یہ کام تمہیں کرنا ہوگا۔"
"میں۔۔۔ مگر تم کیوں نہیں؟"
"اس لیے کہ میں اس کے سب زخموں۔۔۔ تمام تکلیفوں سے واقف ہوں۔۔۔ جس کے سامنے انسان اپنے سارے درد کھول دیتا ہے اس کے سامنے مسکراتے ہوئے جھجکتا ہے' میں چاہتا ہوں تم اس کو اس خول سے نکالو۔ اسے زندگی کی جانب لاؤ۔"

☼ ☼ ☼

حویلی کے بڑے سے لان میں اس پر تکلف ناشتے کا اہتمام جو رضوان صاحب نے اپنے سمدھی اسلم صاحب کے اعزاز میں دیا تھا۔ کئی رشتے دار جو قریبی تھے جیسے نیاز کا کنبہ۔۔۔ خالہ وغیرہ۔۔۔ وہ لوگ تو پہلے سے موجود تھے ہی۔۔۔ انہوں نے چند اور عزیز و اقارب کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ ان سے تعارف کرانے کے لیے۔
اسلم صاحب کی برلہ سنجی اور طبیعت کا چونچال پن عروج پہ تھا جس سے مہ پارہ نہ جانے کیوں جز بز ہوتی جا رہی تھیں۔
"محترمہ۔۔۔ کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتی ہیں؟" وہ پلیٹ تھامے اس کے پاس آئے۔
"جی فرمائیے۔" مہ پارہ نے ناگواری چھپانے کی اپنی سی کوشش کی۔
"آپ ہی کچھ بتائیے۔۔۔ کہاں سے شروع کروں؟"
"ناشتا۔"
"جی نہیں۔۔۔ بات۔" اس بار مہ پارہ نے ناگواری چھپانے کی قطعی ضرورت محسوس نہ کی اور تنک کے کہہ دیا۔
"مجھے ہر بات شروع کرنے کی نہیں، ختم کرنے کی عادت ہے اسلم صاحب۔"
"واہ واہ۔"
وہ بلاوجہ جھوم اٹھے اور باقاعدہ گنگنانے بھی لگے۔
"بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے۔۔۔

"اچھی پوئم ہے ناں؟"
"اسے پوئم نہیں غزل کہتے ہیں۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے رخ موڑ کے پراٹھا لینے لگیں۔
"اوہ۔۔۔ میں سمجھا اسے پراٹھا کہتے ہیں۔" اپنی بات پہ وہ خود ہی ہنس رہے تھے اور مہ پارہ منہ بنا رہی تھیں۔
"آپ کی باتوں سے کہیں نہیں لگتا کہ آپ ایک جوان بیٹی کے باپ ہیں۔"
"تعریف کا شکریہ۔" انہوں نے سر خم کیا۔
"آپ کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کا یہ کہنا ہے میں اپنی عمر سے بہت کم نظر آتا ہوں۔۔۔ ویسے آپ کا بھی جواب نہیں۔۔۔ سعد کی پھوپھو نہیں۔ اس کی بڑی بہن لگتی ہیں آپ۔" اب کے انہوں نے وہ ہتھیار استعمال کیا۔۔۔ جس سے خواتین مزاحمت توڑ ہی دیا کرتی ہیں۔۔۔ مہ پارہ کے چہرے کا تناؤ بھی خود بخود کم ہو گیا۔
ایک مروت بھری مسکراہٹ بھی فوراً ہی ہونٹوں پہ آ گئی۔
"آپ یہ حلوہ ضرور چکھیے۔۔۔ یہاں کی خاص سوغات ہے۔"

☼ ☼ ☼

ام ہانی کے لاکھ نا نا کرنے کے باوجود تانیہ اپنی سی کر کے رہی۔ اسے ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگانے کے بعد کچھ مطمئن ہو کے بولی۔
"ہوں۔۔۔ اب ٹھیک ہے۔"
"یہ کیا بنا دیا تم نے مجھے۔۔۔" اتنے دنوں بعد خود کو ذرا ڈھنگ کے حلیے میں دیکھ کے ام ہانی بھی متوحش تھی۔۔۔ جیسے آئینے میں اس کا نہیں۔۔۔ کسی اور کا عکس ہو۔۔۔ اجلا اجلا۔۔۔ سنورا سنورا سا۔
"ایسا بھی کیا کیا میں نے۔۔۔ اتنے مہمان ہیں گھر میں۔۔۔ آپ کیا یوں ہی چلی جاتیں۔۔۔ اچھا اٹھیں نا۔۔۔ ڈیڈی آؤٹ آف کنٹرول ہو رہے ہوں گے۔۔۔ مجھے ان کو سنبھالنا ہو گا جا کر۔"
"کیا مطلب۔۔۔"
"بھئی بہت سا کھانا۔۔۔ اور بہت سی خواتین۔۔۔ یہ دونوں چیزیں ڈیڈی کو ذرا اوور کر دیتی ہیں۔" ام ہانی مسکرا دی۔۔۔ تو تانیہ کے ہونٹوں پہ بھی کامیابی بھری مسکراہٹ آ گئی۔
"آئیڈیا۔۔۔ کیوں نہ بھاگتے ہوئے جائیں۔"
"کیا۔۔۔؟" ام ہانی کی وہ مسکراہٹ بھک سے اڑ گئی۔
"ہاں نا۔۔۔ بہت مزہ آئے گا۔۔۔ دھواں دار انٹری۔۔۔"
"کیا بچکانہ آئیڈیا ہے۔۔۔ اور ویسے بھی۔۔۔ میرے پیر۔۔۔ میں چل بھی لوں تو بہت ہے۔"
"کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ اچھے بھلے ہیں اب آپ کے زخم۔۔۔ بہانے نہ کریں بہادر بنیں۔۔۔"
"بہادر بننے اور احمق بننے میں بہت فرق ہے۔۔۔ بھاگ کے وہاں جانے کی کیا تک ہے بھلا۔"
"کبھی کبھی بے تکے کام بھی کر لینے چاہئیں۔۔۔ اور کون دیکھ رہا ہے ہمیں۔۔۔ سب تو وہاں ہیں۔۔۔ ہم دونوں یہاں سے بھاگتے ہوئے جاتے ہیں۔۔۔ ریس لگاتے ہیں۔۔۔ کہ کون پہلے پہنچتا ہے۔"
"تم بالکل بچی ہو تانیہ۔۔۔"
"آپ بھی بن جائیں تھوڑی دیر کے لیے۔۔۔ اپنے اندر کے بچے کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے۔۔۔ بچے معصوم اور خالص ہوتے ہیں۔۔۔ بچپنا زندہ رکھنے کا مطلب ہے اپنی معصومیت اور خالص پن کو بھی زندہ رکھنا۔"
"تانیہ۔۔۔" وہ اس کے اصرار پہ زچ ہو رہی تھی۔۔۔ اور وہ تھی کہ ٹلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کے زبردستی کرنے لگی۔
"یقین کریں۔۔۔ اس ذرا سے بچپنے سے آپ خود میں کتنی بڑی تبدیلی محسوس کریں گی۔۔۔ لگائیں ریس۔۔۔؟"
"میں کتنا بھی تیز بھاگ لوں۔۔۔ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی تانیہ۔۔۔" وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
"اور اگر میں خود آپ کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ ساتھ بھگاؤں تو۔۔۔؟"

"بھلا کوئی اپنے حریف کا ہاتھ بھی پکڑتا ہے؟" وہ اس کے بھولپن پہ ہنس دی۔

"بالکل پکڑتا ہے۔" وہ مصر تھی۔

"اگر دونوں کی منزل ایک ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ام ہانی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ "پہلے آپ پہنچیں۔۔۔ یا میں۔۔۔ بات ایک ہی ہے۔۔۔ کیونکہ منزل تو دونوں کی ایک ہی ہے۔" اور اس نے یہ کہتے ہی اچانک بھاگنا شروع کر دیا۔۔۔ ام ہانی اس کے لیے تیار نہیں تھی۔۔۔ مگر چونکہ اس کا ہاتھ تانیہ کے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھا اس لیے ناچار اسے بھی بھاگنا پڑا۔

"ارے تانیہ۔۔۔ رکو۔۔۔ میں گر جاؤں گی۔" اب وہ راہداری سے بھاگتے ہوئے گزر رہی تھیں۔

"نہیں گرنے دوں گی میں آپ کو۔۔۔" راہداری عبور کرتے ہوئے وہ دونوں ہال میں پہنچ چکی تھیں۔ جہاں اپنے کام نپٹاتی دونوں ملازمائیں آنچل کا کونہ دانتوں تلے داب کر یہ منظر حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

میں اسی کا منتظر تھا۔ وہ۔۔۔ جو کبھی میری منتظر نہ رہی تھی۔۔۔ مگر اس دل کا کیا کرتا۔ اسے آج بھی بنا کسی امید۔۔۔ بنا کسی آس۔۔۔ بنا کسی وجہ کے اس ہی تلاشتے رہنے کی عادت تھی۔

اور پھر دور سے وہ دونوں بھاگتی ہوئی اس جانب آتی نظر آئیں۔۔۔ میرے ساتھ ساتھ باقی سب کے لیے بھی یہ منظر حیران کن تھا۔۔۔ اتنی بہت سی حیران نظروں کو خود پہ دیکھ کے ام ہانی نے اپنی رفتار روک لی تھی اور زبردستی ہاتھ کھینچ کر تانیہ کو بھی روکنا چاہا تھا۔ تانیہ اس کے چہرے کی گھبراہٹ بھانپ کے رک گئی مگر پھر اس کا ہاتھ یوں ہی تھامے تھامے سیدھا اپنے ڈیڈی کے پاس لے گئی۔ جو دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"ڈیڈ۔۔۔ یہ ام ہانی۔۔۔" اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ بے اختیار اس کا سر شفقت سے تھپکنے لگے۔

"یہ چیٹنگ ہے ڈیڈی۔۔۔" وہ منہ بسورنے لگی۔

"آپ نے کبھی میرے سر پہ ہاتھ نہیں پھیرا۔"

"اس کا چہرہ ہی ایسا ہی ہے۔۔۔ پکار پکار کے محبت مانگتا ہے۔ دل خود بخود اسے دعا دینے کو چاہتا ہے۔"

ام ہانی کے ہونٹوں پر ایک مسلسل مسکراہٹ تھی۔ جسے دیکھ دیکھ کے میں شانت ہو رہا تھا اور تانیہ کا ممنون بھی۔۔۔ کچھ دیر بعد اسے اکیلا پا کے میں اسے کہے بنا نہ رہ سکا۔ "تھینکس تانیہ۔۔۔"

"کس بات کا۔۔۔" وہ پراٹھے کا رول بنانے میں مصروف تھی۔

"ہنی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانے کا۔۔۔ ایک سچی اور بے ساختہ مسکراہٹ۔۔۔ زبردستی یا مروت کی نہیں۔" میں نے سامنے مہ پارہ پھوپھو کے ساتھ کھڑی ہنی کو دیکھا جو بالکل نارمل انداز میں مسکرا مسکرا کے کوئی بات کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ کسی خوف کسی گھبراہٹ کا اب شائبہ تک نہیں تھا۔

"وہ جب سے آئی ہے، میرا حوصلہ نہیں ہوا کہ اسے مسکرانے کا کہتا۔ تم نے یہ کام کتنی آسانی سے کر دیا۔"

"صرف اس کے نہیں۔۔۔ تمہارے بھی ہونٹوں پہ بہت دن بعد مسکراہٹ آئی ہے۔ تمہاری مسکراہٹ کا ہانی کی مسکراہٹ سے کوئی رشتہ ہے کیا؟" اس نے کتنی بے ساختگی سے وہ راز اگل دیا تھا جس کے بارے میں مجھے لگتا تھا صرف میں ہی واقف ہوں اس راز سے۔۔۔

"تم بہت پہنچی ہوئی ہو تانیہ۔۔۔ کہیں اور نہ پہنچ جانا۔" میں نے ہنسی میں اڑانا چاہا اس کی بات کو بھی اور اپنے خوف کو بھی۔۔۔

"نہیں۔۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"ہوں۔۔۔ مگر آدھا سچ۔۔۔" میں نے ہار مان لی۔

"صرف مسکراہٹ کا نہیں۔۔۔ آنسوؤں کا بھی۔۔۔"

"وہ کیسے۔۔۔" تانیہ تفصیل جاننا چاہ رہی تھی اور میں چونک گیا تھا۔ کیونکہ میں نے ام ہانی کے اس چہرے پہ۔۔۔ جس پہ کچھ دیر پہلے ایک الوہی مسکراہٹ تھی۔۔۔ وہاں وہی خوف اور دہشت پھر سے دیکھی۔۔۔

اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن گھمائی' تو سالار کو اپنی کار سے نکل کے اس جانب آتے دیکھا۔
"یہ کون ہے۔" تانیہ اپنا وہ سوال بھول کے اب کچھ اور پوچھ رہی تھی۔ اور ہانی سہم کے ابو کا بازو زور سے تھام کے ان سے لپٹ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

رضوان اسے اندر لا چکے تھے' تاکہ مہمانوں کے سامنے وہ کوئی تماشا کھڑا نہ کر سکے۔ اس کے تیور تو کچھ ایسے ہی تھے۔
"بیٹھ کے بات کرتے ہیں سالار۔" اگرچہ رضوان کا دل اس سے سخت مکدر تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی حد تک وضع داری نبھا رہے تھے۔
"میں نہ بیٹھنے آیا ہوں۔ نہ بات کرنے۔ ام ہانی کو لینے آیا ہوں۔ بھیجیں اسے۔"
"مگر میں کچھ معاملات صاف کیے بغیر اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیج سکتا۔"
"مجھے اسے یہاں سے لے جانے کا حق ہے۔" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔ مگر اس کے باوجود رضوان نے لحاظ کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔
"اور ہمیں تم سے بازپرس کا حق ہے۔"
"آپ کا مجھ کوئی حق نہیں۔"
"مگر ام ہانی پہ تو ہے۔"
"مجھ سے اس کا نکاح کرنے کے بعد' آپ اس پہ سے حق کھو چکے ہیں۔" اس کی مسلسل بدتمیزی پہ وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط کر رہے تھے۔
"لیکن اس نے اپنی زندگی پہ سے اپنا حق نہیں کھویا ہے۔" بالآخر وہ بھی قطعیت سے فیصلہ سنا گئے۔
"مجھے نہ سہی۔ مگر تمہارے ساتھ جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کرنے کا حق اسے ضرور ہے۔ وہی یہ طے کرے گی۔"

☆ ☆ ☆

"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ نہیں نکلوں گی کمرے سے۔" وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ ابو اسے سالار سے بات کرنے کا کہہ رہے تھے۔
"بیٹا۔ تمہاری مرضی کے بغیر ہم اس کے ساتھ نہیں بھیجیں گے تمہیں۔ بس۔ تم یہ بات خود اسے جا کے کہہ دو۔"
"میں بات بھی نہیں کروں گی۔ کر ہی نہیں سکتی۔" وہ رو رہی تھی۔ اور میرا دل پگھل رہا تھا۔ مگر میں فی الحال چپ تھا۔ البتہ پھوپھو بول اٹھیں۔
"بس سن لیا آپ نے؟ جس کے ساتھ بات کرنے یا اس کا سامنا کرنے سے ہی اس بے چاری کی جان نکل رہی ہے۔ مرنے والی ہو گئی ہے ایک منٹ میں۔ وہ اس کے ساتھ رہے گی کیسے۔"
"مہ پارہ۔ تم اپنی مرضی اور سوچ زبردستی اس پہ مسلط نہ کرو۔" امی بے چین ہو رہی تھیں مگر مصلحتاً ام ہانی کی حمایت بھی کی۔
"میں ام ہانی کا خوف اور ناراضی سمجھ سکتی ہوں۔ کچھ کم نہیں کیا سالار نے۔" اور پھر فوراً ہی پٹڑی بدل لی۔
"لیکن یہ بھی تو سوچو۔ کبھی تو غصے اور ناراضی کی یہ کیفیت کم ہو گی۔ دماغ ٹھنڈا ہو گا۔ اور تب شاید وہ اپنے جلد بازی کے فیصلے پہ پچھتائے گی' اس لیے اتنے اہم فیصلوں کا اختیار بچوں کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہیے۔ ابھی ہم زندہ ہیں۔" اب میں چپ نہ رہ سکا۔
"زندہ تو ہیں۔ مگر جاگے ہوئے نہیں۔ ورنہ۔ کبھی تو پلٹ کے اس کی خبر لیتے۔ جو بات یہاں آنے کے دوسرے ہی دن میں جان گیا تھا' اس سے آپ اتنا عرصہ بے خبر کیسے رہے؟" امی مجھے گھور کے رہ گئیں۔ میری بات کا کوئی جواب نہ تھا ان کے پاس۔
"تم بولو ام ہانی۔ تم کیا چاہتی ہو؟" ابو نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا۔ "ڈرو مت۔ کوئی تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرے گا۔ جو تم چاہو گی۔ وہی ہو گا۔ تمہیں پورا حق ہے اس کا۔"
"نہیں۔ میں واپس نہیں جانا چاہتی۔" اس کی بات پہ میرے اندر اطمینان بھر گیا۔

"میں تھک گئی ہوں ایسی زندگی سے۔۔۔ مجھ میں اپنی تذلیل ہوتے دیکھنے کا اب مزید حوصلہ نہیں رہا۔۔۔ میں سر اٹھا کے جینا چاہتی ہوں۔۔۔ بنا کسی خوف کے۔"

پھوپھو نے اسے گلے لگا لیا۔ جبکہ میں نے امی کی بے چینی کو بڑھتے دیکھا تھا۔ ابو نے سالار کو ام ہانی کا فیصلہ سنا دیا۔۔۔ مگر وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"میں نہیں مان سکتا۔ آپ لوگوں نے اسے دباؤ میں لیا ہے۔ میرے سامنے لائیں اسے۔۔۔ آخر چھپا کیوں رہے ہیں؟"

"وہ خود چھپ رہی ہے تم سے۔۔۔ نہیں سامنا کرنا چاہتی تم جیسے شخص کا۔۔۔" بالآخر میں نے اس کی طبیعت صاف کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔

"سعد۔۔۔ تم اندر جاؤ۔۔۔ میں بات کر رہا ہوں۔" ابو نے مجھے منظر سے غائب کرنا چاہا، مگر اب میں کہاں رکنے والا تھا۔

"کیسی بات ابو؟ کسی بات کی گنجائش نہیں ہے اب۔۔۔ آپ اسے عزت کے ساتھ واپس جانے کا کہیں۔۔۔ یا۔۔۔ یا پھر میں کہہ دیتا ہوں۔"

"میں اپنی بیوی کو ساتھ لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔۔۔ تم میرے حق کو چیلنج کر رہے ہو۔"

"اور اگر وہ بیوی ہی نہ رہے تو؟" میں تن کے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"پھر کس رشتے اور حق سے ساتھ لے جانے کی بات کرو گے؟ مسٹر سالار اعظم۔۔۔ بھول جاؤ کہ تم اب کبھی اس کی گرد کو بھی پا سکو گے۔"

"سعد۔۔۔ بیٹا۔۔۔ تحمل سے۔۔۔ معاملے کو بگاڑو مت۔۔۔" ابو ابھی بھی مجھے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔ اپنی سی کوشش۔۔۔

"ابو۔۔۔ اس نے ایک لڑکی کی پوری زندگی بگاڑ دی ہے اور آپ کو معاملہ بگڑنے کی فکر ہے۔" ان کو تاسف سے دیکھنے کے بعد میں نے پھر سالار کی جانب توجہ کی۔

"میرے ہوتے ہوئے تو تم اسے کبھی یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔ اگر ہو سکے تو خود کو بچا کے ضرور لے جاؤ۔۔۔ ورنہ کہیں مجھے ہنی کو لگنے والے زخموں کا حساب لینا یاد نہ آ جائے۔" میری دھمکی کو اس بے غیرت اور ڈھیٹ انسان نے بہت تحمل کے ساتھ سنا۔ اور جیسے پی ہی گیا۔ چند سیکنڈ مجھے سرد نظروں سے گھورنے کے بعد وہ پلٹا اور خاموشی سے واپس جانے لگا۔

"تم نے ٹھیک نہیں کیا سعد۔۔۔" ابو اس کی موجودگی پر اتنے پریشان نہیں تھے۔ جتنے اس طرح اس کے واپس جانے پر تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

"سالار کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ اس کی خاموشی کو طوفان آنے سے پہلے والی خاموشی سمجھو۔"

✡ ✡ ✡

وہ دن ایک ہنگامے سے شروع ہوا تھا۔ ایک خاموشی پہ ختم ہو رہا تھا۔ ام ہانی کو یہ اطمینان تو ہو گیا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی اسے سالار کے ساتھ اس جہنم میں دوبارہ نہیں بھیجے گا۔۔۔ مگر دل کو پھر بھی ایک کھٹکا سا لگا ہوا تھا۔

"وہ رات کے اس پہر اکیلی آنگن میں بیٹھی ان اذیت ناک یادوں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ جب اسلم صاحب کافی کا مگ لیے اس کے برابر آ بیٹھے۔

"کیا دیکھ رہی ہو آسمانوں میں؟" ام ہانی نے ان کے سوال پہ بھی آسمان سے نظر نہ ہٹائی۔

"دیکھنا چاہ رہی ہوں کہ خدا تمہارے لیے کیا کر رہا ہے؟" "تمہیں پتا ہے وہ بھی اس وقت یہ دیکھنا چاہ رہا ہے کہ تم خود اپنے لیے کیا کرتی ہو۔۔۔ اللہ نے تمہیں یہ زندگی دی ہے اسے جینے کا موقع دیا ہے۔ ہمت دی ہے۔۔۔ اب تمہیں یہ دکھانا ہے کہ تم اس کا استعمال کیسے کرتی ہو۔

"میں نے بہت ہمت سے کام لے کر ہی وہاں واپس نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔ مجھے نہیں پتا ہے کہ ایسا ہو بھی پائے گا۔۔۔ یا نہیں۔۔۔ پتا نہیں باقی سب کو یہ کیسا لگا ہو؟"

"اپنے ساتھ ٹھیک کیا ہے یا غلط؟ کیا لگتا ہے تمہیں بیٹا۔" وہ کچھ سوچتے جواب دینے لگی۔
"مجھے لگتا ہے اپنے ساتھ تو ٹھیک ہی کیا ہے۔ غلط تب کر رہی تھی جب اپنی تذلیل کروا رہی تھی۔"
"گریٹ۔ تو باقی سب کے ساتھ ٹھیک ہو۔ یا غلط۔ یہ تمہارے سوچنے کا کام نہیں۔ زندگی بڑی مختصر شے ہے اپنے لیے ہی جی لیں تو بڑی بات ہے۔ کسی اور کے لیے جینے کا وقت اور حوصلہ کیسے نکالیں۔" مہ پارہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ درست کرتے ہوئے باہر جھانکا تو اسلم صاحب کو امہانی کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کے چونکی۔
"تو۔ یہ خبطی شخص اب اپنی بے سروپا چھچھوری فضول باتوں سے بے چاری کو مزید پریشان کر رہا ہو گا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے نکلیں۔ ارادہ تھا کہ امہانی کو بروقت کمک پہنچا کے اس شخص کی باتوں سے بچا سکیں۔
"مگر انکل۔ ہم خود کو لوگوں سے کاٹ کے بھی تو نہیں جی سکتے۔" مہ پارہ کے خدشے کے برعکس امہانی سارے دن کی طویل خاموشی کو توڑ کے اپنے اندر کے سوالات کے جواب ان سے طلب کر رہی تھی۔
"جی سکتے ہیں۔ کیوں نہیں جی سکتے۔" انہوں نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
"میں جیا ہوں۔ ابھی بھی جی رہا ہوں۔ تانیہ کی ماں سے جب میں نے شادی کی تو وہ کینسر کی آخری اسٹیج تھی۔" مہ پارہ کے قدم وہیں تھم گئے۔ وہ ان سے کچھ فاصلے پہ رک کر سننے لگیں۔
"صرف وہی کیا۔ کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ شادی ہو کیونکہ اس کی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ مگر میں نے یہ شادی کی۔ کیونکہ میں جینا چاہتا تھا۔ اس کی محبت میں۔ چاہے چند دن ہی سہی۔ وہ ماں نہیں بننا چاہتی تھی۔ کیونکہ جانتی تھی اپنی اولاد کو پالنے کے لیے زندہ نہیں رہے گی۔ مگر میں پھر بھی تانیہ کو دنیا میں لا کے رہا۔ کیونکہ میں اس کے مرنے کے بعد بھی جینا چاہتا تھا۔ مجھے سہارا چاہیے تھا۔ وجہ چاہیے تھی جینے کی۔ اس کی آخری نشانی سے بڑھ کے اور کیا وجہ ہوتی۔"
وہ تو مسکرا مسکرا کے بتا رہے تھے۔ حسب عادت مگر امہانی مغموم سی ہو گئی۔ "تانیہ نے کبھی بتایا نہیں۔"
"کیونکہ وہ بھی جینا چاہتی ہے اور جیا تب جاتا ہے جب خود سے وابستہ ہر غم اور تکلیف کو جتنی دور ہو۔ جھٹک دیا جائے۔ تم بھی یہی کرو۔ مت سوچو۔ کہ کوئی کیا کہے گا۔ کیا سوچے گا۔ اپنی خوشی تلاش کرو۔" تب ہی اسلم صاحب کی نظر مہ پارہ پہ گئی، جو آنکھوں میں ہلکی سی نمی لیے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ اسلم صاحب کی سنجیدگی ہوا ہونے اور شوخی عود کر آنے میں ایک ہی سیکنڈ لگا۔
"اور یہاں آنے کے بعد کچھ حسین چہرے دیکھنے کے بعد تو اب یہ حال ہے کہ۔" وہ گنگنانے لگے۔
آج پھر جینے کی تمنا ہے
آج پھر مرنے کا ارادہ ہے
اور پہلی بار مہ پارہ کو ان کی شوخی چھچھورپن نہیں لگی تھی۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اور اس آسمان کے نیچے۔ ان ہی ستاروں کی چھاؤں میں جہاں کچھ دیر پہلے وہ بیٹھی اپنے جینے کی وجہ تلاش رہی تھی۔ اب میں وہیں کھڑا جینے کی وجہ اسی سے پوچھ رہا تھا۔ کہ۔
"مسعد۔" اور میں پوچھ ہی نہ سکا۔ کیونکہ تانیہ مجھے پکارتی وہیں آ گئی۔
"تم یہاں ہو۔ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔"
"میں بھی بہت دیر سے ڈھونڈ رہا ہوں۔"
"مجھے۔" وہ کھل سی اٹھی۔
"نہیں۔ خود کو۔"
"اف۔ پھر سے۔ بہت دنوں بعد دورہ پڑا ہے تمہیں فلمی ڈائیلاگ جھاڑنے کا۔"
"چلو۔ آج تم بھی کچھ فلمی ہو جاؤ میرے

ساتھ۔۔۔"

"سوچ لو۔۔۔ پھر نہ کہنا۔۔۔ یہ حویلی ہے۔۔۔ یہاں یہ سب نہیں چلتا۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"تمہارے ساتھ کچھ بھی تو فلمی نہیں ہوا تانیہ۔۔۔ نہ کوئی ظالم سماج۔۔۔ نہ ولن۔۔۔ سوچو۔۔۔ اگر ہمارے درمیان کوئی آگیا تو۔۔۔؟"

"اب کیا آئے گا؟" وہ بے فکری سے بولی۔

"کچھ دن بعد تو ہماری شادی ہے۔"

"کچھ دن بعد ہے نا۔۔۔ ابھی بہت وقت ہے درمیان میں۔۔۔ کچھ ہونے کے لیے تو ایک پل بھی کافی ہوتا ہے۔"

"پلیز سعد۔۔۔" وہ گھبرا سی گئی۔

"مت کرو ایسی باتیں۔۔۔ مذاق میں بھی نہیں۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات کا ڈر۔۔۔"

"تمہیں کھوتے کا ڈر سعد۔"

"اتنا چاہتی ہو مجھے؟" یہ سوال کرتے ہوئے میں اداس سا ہو گیا بالکل بجھ ہی گیا۔

"ہاں۔۔۔ تو اور کیا؟"

"میں نے منع بھی کیا تھا۔۔۔ تم باز نہیں آئی مجھ سے محبت کرنے سے۔" میں مایوس ہو گیا اور دل گرفتہ بھی۔۔۔ کیا تھا' جو تانیہ مجھ سے محبت نہ کرتی۔ کرتی بھی تو وہ اتنی اچھی نہ ہوتی کہ اس کی محبت کو دھوکا دیتے ہوئے مجھے خود سے شرم آئے۔

"تمہیں پتا تو ہے سعد۔۔۔ کہ میں کتنی خود سر ہوں۔"

"خود سر تو محبت ہوتی ہے تانیہ۔۔۔ من مانی کرنے کی عادی۔۔۔ اپنی کرنے پہ آئے تو یہ نہیں دیکھتی کہ اس کے سامنے کون ہے اور اس کے قدموں تلے کیا کیا مسل کے برباد ہو رہا ہے۔۔۔ تانیہ محبت کو معاف کر دینا' اس کے قصور بخش دینا' محبت اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہے۔"

"سعد۔۔۔ تم۔۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟" اسے ہراساں دیکھ کے میں نے ایک کھوکھلا قہقہہ لگایا۔

"فلمی۔۔۔ فلمی باتیں۔۔۔ تمہیں پسند ہے نا اس لیے۔" وہ خفا خفا سی مجھے دیکھنے لگی' مگر بہل گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

سالار بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ رت جگا اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ "آج بھی تم ساری رات نہیں سوئے۔" اماں نے اسے دیکھ کے افسوس سے کہا۔

"خود کو کب تک تکلیف دو گے۔۔۔ اور اسے بھی۔۔۔ بیٹا۔۔۔ زبردستی نہ گھر بستے ہیں۔۔۔ نہ دل۔"

"اگر آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں تو آپ نے وہ گھر زبردستی اتنے سال بسانے کی کوشش کیوں کی۔۔۔ جو گھر نہیں ایک اذیت کدہ تھا۔"

"جو تمہاری ماں کے ساتھ ہوا۔۔۔ وہ تم کیوں دہرانا چاہتے ہو۔۔۔ آزاد کر دو اسے سالار۔۔۔ جانے دو۔۔۔"

"آزاد کر دوں۔" وہ مشتعل ہو گیا۔

"کیسے آزاد کر دوں؟ میں چاہتا ہوں اسے۔۔۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو شامل نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔۔۔ آپ جانتی ہیں یہ بات۔۔۔ اس نے میری قسم توڑی۔۔۔ اب کیسے جانے دوں اسے اپنی زندگی سے۔"

"کیونکہ زبردستی تم اسے یہاں لے بھی آئے تو اس کے دل میں جگہ نہ پا سکو گے۔" ڈرتے ڈرتے انہوں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا۔

"ناراض ہے وہ۔۔۔ مان جائے گی جب اس کے ارد گرد سے وہ لوگ دور ہوں گے۔۔۔ وہ اسے بہکا رہے ہیں۔۔۔ میرے خلاف ورغلا رہے ہیں۔۔۔ میرے پاس آئے گی تو اس کی ناراضی بھی ختم ہو جائے گی۔"

"ناراض نہیں ہے وہ سالار۔۔۔" وہ جھنجلا اٹھیں' اس کے گمان پہ۔

"اس کے مان جانے کی آس پہ مت رہو۔۔۔ ابھی اس کے تایا سے میری بات ہوئی ہے۔۔۔ وہ لوگ طلاق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"

"کیا۔۔۔ طلاق۔۔۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)